اساتذہ کی بے ادبی.........چند عبرتناک واقعات

مولانا جمیل الرحمن عباسی

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اساتذہ کا احترام اور انکی توقیر علمی ترقی کا باعث اور انکی بے حرمتی حرماں نصیبی کا سبب ہے، دورِ حاضر میں اساتذہ کی بے ادبی کے بڑھتے ہوئے رجحانات تاریک مستقبل کا خدشہ ہیں۔ ذیل میں چند اقوال و واقعات ذکر کیے جاتے ہیں شاید ان سے وہ طلبہ سبق حاصل کر سکیں جو اساتذہ کی معمولی ڈانٹ پر بھی انکی مخالفت پر تل جاتے ہیں اور انکی ٹوپیاں اچھالنے اور مدرسہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی اسکیمیں بناتے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کا فرمان ہے: العلم عز' لاذل فیہ' ویحصل بذل لاعز فیہ (ثمرات الاوراق) یعنی علم دائمی عزت ہے اس میں ذلت نہیں آتی مگر ایسی ذلت سے حاصل ہوتا ہے کہ عزت اسکے حصول میں دور دور ہی رہتی ہے۔

علامہ شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ طالب علم کی کوتاہی عمل کی دلیل اور علامت یہ ہے کہ ہم اسے استاذ کے سامنے بے ادب پائیں، استاذ سے بات چیت کرتے ہوئے اپنی نگاہ نیچی نہ رکھتا ہو، استاذ کے سامنے اسکی تعظیم نہ کرتا ہو، استاذ کی غیر موجودگی میں حرمت وعظمت کا لحاظ نہ کرتا ہو.......... استاذ کے کلام کو اپنے فہم ناقص سے یا کسی دوسرے کے کلام سے رد کرتا ہو، استاذ سے علوم حاصل کر کے اسی سے بحث ومباحثہ کرتا ہو۔

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ انسان پر اپنے استاذ کی مدارات واجب ہے، اسکی سختی کو برداشت کرے، استاذ کوئی اچھی بات بتائے یا کسی بری بات پر تنبیہ کرے تو اسکی شکر گذاری ضروری ہے، جب وہ کوئی نکتہ بتائے تو تمہیں اگر وہ پہلے سے معلوم ہو جب بھی یہ ظاہر نہ کرو کہ مجھے پہلے سے معلوم ہے (آداب المتعلمین)

مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کو انکے ایک شامی استاذ نے ایک معمولی سی بات پر جو غلط فہمی پر مبنی تھی بہت زیادہ مارا تھا لیکن اس وقت اور اسکے بعد مولانا کے دل میں ذرا بھی تکدر نہ ہوا۔

شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے آپ بیتی میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے والد صاحب کے سامنے حدیث کی کچھ کتابیں بعض دوسرے اساتذہ کے پاس پڑھنے کی خواہش ظاہر کی، والد صاحب نے انکار کیا اور فرمایا: ''تو بے ادب ہے حدیث کے استاذ کی بے ادبی کی تو حدیث سے ہاتھ دھو بیٹھے گا البتہ منطق پڑھنے کی اجازت ہے کیونکہ بے ادبی کرنے سے منطق کا فن جاتا رہیگا بلا سے جاتا رہے''۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، سید سلیمان ندویؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں (۱۹۴۳ء میں دارالعلوم ندوہ کے طلباء نے تعلیمی بائیکاٹ کیا اس تعلیمی بائیکاٹ) کی قیادت ہمارے بعض عزیز شاگرد کر رہے تھے، جو دارالعلوم کے بہترین طالب علم تھے اور ان سے ہم نے اور دارالعلوم نے بڑی بڑی توقعات قائم کی تھیں، ان میں سے سب سے زیادہ نمایاں میرے عزیز ترین شاگرد علی احمد کیانی تھے، میں نے اپنے دس سال کے تدریسی دور میں اور اس کے بعد بھی جب میں نے بحیثیت نائب معتمد کے کام کیا اس نوجوان سے زیادہ ذہین، ذی استعداد اور سلیم الطبع طالب علم نہیں دیکھا...... وہ چوتھے، پانچویں درجہ میں پہنچ کر برجستہ عربی میں تقریر کرنے لگے، حافظہ اس بلا کا تھا کہ ہزاروں شعرا قبال و اکبر اور ظفر علی خاں کے نوکِ زباں تھے، میرے بعض عربی مقالات کا ترجمہ بھی کیا تھا، وہ تعلیمی بائیکاٹ کے بعد کراچی گئے تو اپنی نوعمری کے باوجود کراچی کی علمی مجلسوں میں علامہ کیانی کے نام سے مشہور ہوئے۔

جیسا کہ طلباء کے ہنگاموں میں ہوا کرتا ہے وہ طوعاً و کرہاً طلباء کے نمائندہ اور اسٹرائک کے قائد بن گئے، ان کے سب اساتذہ کو اور بالخصوص مجھے ان کے اس ہنگامہ میں نہ صرف شریک ہونے بلکہ قائد بننے سے سخت قلق تھا، زیادہ تر اس وجہ سے کہ اس اسٹرائک کی زد سید (سلیمان ندوی) صاحب کی شخصیت اور انکی معتمدی پر پڑتی تھی......سید صاحب کے دل کو بھی اس ہنگامے سے بڑی چوٹ لگی، انکے دل میں ندوہ کی خدمت اور طلباء کی تربیت کی بڑی بڑی امنگیں تھیں، انکو اس سے اپنی تمناؤں کا خون اور اپنی کوششوں کی ناکامی کا منظر نظر آیا اور بہت دل شکستہ اور افسردہ ہوگئے، انہی دنوں میں علی احمد کیانی پر جنون کا دورہ پڑا اور حالت یہاں تک پہنچی کہ ان کو گھر والوں نے رسیوں سے باندھ دیا۔ ان کے بھائی میرے برادر معظم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم کو انکو دکھانے کیلئے گھر لے گئے، میں بھی خصوصی تعلق کی بنیاد پر ساتھ ہوگیا، انکو جب رسیوں سے بندھا ہوا دیکھا تو آنکھ میں آنسو آگئے کہ نوجوان جو اپنی ذکاوت اور صحیح الدماغی میں اپنے ساتھیوں کیلئے بھی قابلِ رشک تھا اس حالت میں ہے بھائی صاحب نے نسخہ لکھا اور تشریف لے آئے۔ سید صاحب اس زمانہ میں اتنے دل برداشتہ تھے کہ دارالعلوم میں قیام بھی نہیں فرمایا، ہمارے ہی گھر میں مقیم تھے، میں نے ایک مرتبہ تنہائی میں موقع پا کر عرض کیا کہ میرا خیال ہے کہ علی احمد کی زبان سے آپ کی شان میں کوئی لفظ نکل گیا، اس طوفان بے تمیزی میں کچھ بعید نہیں کہ ان پر جذباتیت غالب آئی ہو، اور ناگفتنی کا ارتکاب کیا ہو، حدیث شریف میں آتا ہے: من اذی لي وليا فقد اذنته بالحرب اور آپ تو انکے محسن اور مربی بھی تھے، سید صاحب نے اسکے جواب میں تواضع اور فروتنی کے الفاظ فرمائے اور کہا کہ میں کیا چیز ہوں میں نے دوبارہ عرض کیا اور دعا کی درخواست کی، سید صاحب نے اس پر سکوت فرمایا، دوسرے یا تیسرے دن مجھ سے فرمایا کہ مولوی علی صاحب میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی، اب اس واقعہ کو سید صاحب کی کرامت سمجھا جائے یا اسکو کسی اور بات پر محمول کیا جائے کہ عزیز موصوف بالکل نوعمری میں ۱۹۵۰ء میں پاگل ہوگیا۔

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

غالباً تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے مولانا یحیٰی صاحب ؒ (والدِ گرامی شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ) فرماتے ہیں کہ میں حضرت گنگوہیؒ کے پاس حدیث پڑھتا تھا اور تہیہ کر رکھا تھا کہ غیر حاضری نہ کروں گا۔ ایک مرتبہ والدہ نے حضرت گنگوہی کے پاس پیغام بھیجا کہ انکو ایک دن کیلئے بھیج دو' حضرت گنگوہی نے مجھے جانے کا حکم دیا میں نے سبق کا عذر کیا فرمایا ہو جائیگا میں چلا گیا حضرت نے سبق پڑھا دیا مجھے سبق سے غیر حاضری کا بہت قلق ہوا۔ کچھ عرصہ بعد والدہ کا پھر پیغام آیا اور حضرت گنگوہیؒ نے جانے کا حکم دیا میں نے کہا پہلا سبق بھی رہتا ہے فرمایا کون سے تھا؟ میں نے بتایا تو حضرت نے اسی سبق کی تقریر شروع فرمادی اور ایسی تقریر فرمائی کہ پہلے کبھی نہ سنی تھی، اس دن جس طالب علم کی عبارت کی باری تھی اسکو بہت طیش آیا ٹائم ختم ہوا تو اس نے غصہ میں کہ'' کوئی اور سبق رہتا ہو تو اسکی بھی دہرائی کرالو'' حضرت گنگوہیؒ نے اس کی یہ بات سنی زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر دل میں رنجیدہ ہوئے، سنا ہے کچھ نہ کہا مگر دل میں رنجیدہ ہوئے، سنا ہے کچھ دنوں بعد وہ طالب علم باؤلا ہو گیا۔

شرح الطریقۃ المحمدیہ میں لکھا ہے کہ جس وقت امام حلوانیؒ بخارا سے دوسری جگہ تشریف لے گئے تو امام زرنوجی کے علاوہ اس علاقہ کے تمام شاگرد سفر کر کے ان کی زیادت کو گئے' مدت کے بعد امام زرنوجی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے غیر حاضری پر افسوس کا اظہار کیا اور معذرت کی کہ ماں کی خدمت کی وجہ سے نہیں آسکا، اس وقت امام حلوانیؒ نے فرمایا تم کو عمر ضرور نصیب ہوگی مگر درس نصیب نہ ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آداب المتعلمین میں شاہ عبدالرحمٰن محدث سہارنپور کا واقعہ لکھا ہے فرماتے ہیں کہ میں اپنے وطن سے جب سہارنپور پڑھنے کیلئے آیا تو ہر استاذ سے ملکر آیا تھا ایک استاذ جن سے ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں ان سے ملاقات نہ ہوسکی جب سہارنپور آکر پڑھنا شروع کیا تو کتاب بالکل سمجھ نہ آئی حالانکہ میں اپنی جماعت میں بہت سمجھدار سمجھا جاتا تھا اسکے اسباب پر غور کیا اللہ پاک نے رہنمائی فرمائی اور ان استاذ کی خدمت میں خط لکھ کر معافی مانگی اور ملاقات نہ ہوسکنے کی وجہ لکھی انہوں نے جواب میں فرمایا میرے دل میں خیال ہوا تھا کہ مجھے چھوٹا سمجھ کر شاید تم نہیں ملے لیکن تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ یہ بات نہیں تھی اسکے بعد دعائیہ الفاظ لکھے، فرمایا کہ اساتذہ کے احترام کا ہی نتیجہ ہے کہ تمہارے سامنے ترمذی پڑھا رہا ہوں۔

استاذ محترم مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہماری طالبعلمی کے زمانہ میں ہمارے استاذ مولانا علی محمدؒ نے نماز کے بعد طلبہ کو مخاطب کر کے فرمایا'' میں نے تم کو معاف کیا'' ہم نے پس منظر دریافت کیا تو فرمایا طلباء کے درمیان واقع ایک جھگڑے کا میں نے فیصلہ کیا تو کچھ طلبہ نے ناانصافی کا مجھ پر الزام لگایا میں رنجیدہ ہوا پھر مجھے خیال ہوا کہ طلباء معافی مانگنے آئیں گے نہیں اور میں نے انکو معاف نہ کیا تو محروم ہو جائیں گے اس لیے میں نے سب کو معاف کر دیا۔

یہ چند واقعات ہیں اس طرح کے واقعات سے صفحات بھرے پڑے ہیں جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اساتذہ کا احترام کس قدر ضروری اور انکی بے توقیری سے احتراز کتنا لازمی ہے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے آمین۔ ☆☆☆